© rasailojaraid.com

مولانا محمد جعفر پھلواردی

مولانا رومی اور ان کی مثنوی

مولانا رومی کا اصل نام محمد ہے لیکن یہ لقب سے زیادہ مشہور ہوئے۔ یعنی جلال الدین رومی کو عام طور پر ان کا نام سمجھا جاتا ہے۔ یہ بلخ میں ۶۰۴ھ میں پیدا ہوئے۔ بلخ خراسان کا ایک شہر ہے۔ اس وقت یہاں کا فرمانروا محمد خوارزم شاہ[لہ] تھا جو مولانا رومی کا نانا تھا۔ رومی کے والد کا نام بہاء الدین بن حسین بلخی ہے جو نسباً صدیقی تھے۔ مولانا جلال الدین کو رومی اس لیے کہتے ہیں کہ ان کی آخری سکونت گاہ قونیہ تھی جو ترکیہ میں ہے۔ اور یہ علاقہ اس وقت بیز نطینیوں کے زیر اثر تھا۔

رومی چھ سال کے تھے کہ ان کے والد نے نیشاپور کو اپنا وطن بنا لیا۔ یہاں خواجہ فرید الدین عطارؒ (متوفی ۶۲۷ھ) سے ملاقات ہوئی۔ خواجہ عطار نے اپنی مثنوی "اسرار نامہ" پیش کی اور رومی کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ: اس بچے کا پورا خیال رکھو کیونکہ یہ شہرۂ آفاق ہستی بننے والا ہے۔ عطارؒ جیسے زیرک صوفی کے لیے کسی کے چمکتے ہوئے ستارۂ پیشانی کو دیکھ کر اس کے روشن مستقبل کو بھانپ لینا کچھ مشکل نہ تھا۔

رومی نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی تھی۔ والد نے فرزند کی تعلیم و تربیت کے لیے اپنے ایک خاص مرید و شاگرد کو مقرر کیا جن کا نام برہان الدین ہے۔ زیادہ تر علوم رائجہ کی تعلیم رومی نے انہیں سے حاصل کی۔ رومی اٹھارہ سال کے ہوئے تو ان کی شادی ہو گئی اور اسی سال وہ اپنے والد کے ساتھ قونیہ منتقل ہو گئے اور یہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

رومی کے والد کا انتقال ہو گیا تو انہوں نے مزید حصول علم کے لیے حلب (شام) کا سفر کیا اور

لہ "خوارزم شاہ" دراصل خوارزم کے فرمانرواؤں کا لقب ہے جیسے زارِ روس، قیصرِ جرمنی وغیرہ۔ خوارزم تیرہ صدی قبل مسیح سے آباد ہے جیسا کہ البیرونی نے "الآثار الباقیہ" میں لکھا ہے۔ یہ روسی ترکستان کی نہر آمو دریا کے نشیب میں واقع ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہاں کے مدرسۂ حلاویہ کے اقامت خانہ میں مقیم ہوئے۔ یہاں کمال الدین بن عدیم سے علمی کسب فیض کرتے رہے۔ اس کے بعد دمشق جا کر علوم و فنون حاصل کیے۔

اس دورِ زندگی میں مولانا رومی جن فنون کے گویا امام تھے وہ حکمت و فلسفہ، کلام اور تقابلِ مذاہب وغیرہ ہیں۔ فقہ، حدیث، تفسیر وغیرہ میں بھی دستگاہ حاصل تھی۔ والد کے انتقال کے بعد رومی اپنے استاد سید برہان الدین سے علمِ باطن، تصوّف اور سلوک و فقر کی تعلیم نو سال تک حاصل کرتے رہے۔ اس لیے فقر و تصوف کی تخم ریزی تو ہو چکی تھی لیکن اس نے ابھی اندر سے سر نہ نکالا تھا۔ وہ فقر و تصوف کی تعلیم کے بعد بھی عالمانہ درس و تدریس و افتا میں لگ گئے۔ تصوف نے کوئی اندرونی انقلاب کی شکل نہ اختیار کی تھی۔

شمس تبریز

قدرت نے رومی کی اندرونی تبدیلی کے لیے ایک ایسی ہستی کو منتخب کر رکھا تھا جو خود بھی آبائی مسلک کو ترک کر کے فقر کے میدان میں قدم رکھ چکا ہو۔ یہ ہیں شمس الدین تبریز جو فرقہ اسماعیلیہ کے ایک امام یعنی کیا بزرگ کے خاندان سے بتائے جاتے ہیں۔ انھوں نے اپنا آبائی مسلک ترک کر دیا تھا اور تحصیلِ علوم کے بعد بابا کمال الدین جندی کے حلقہ بگوش ہو گئے تھے۔ شمس تبریز سوداگر کی حیثیت سے شہر شہر گھوما کرتے تھے۔ انھوں نے ایک بار دعا کی کہ خداوندا کسی ایسے خاص بندے سے ملا دے جو میرے سینے کی امانت کا متحمل ہو۔ غیبی اشارہ ہوا کہ روم جاؤ۔ یہ اسی وقت چل پڑے اور قونیہ پہنچ گئے۔ جس سرائے میں یہ ٹھہرے وہاں ایک چبوترے پر عموماً شرفا کی صحبتیں رہتی تھیں۔ یہیں شمس تبریز اور رومی کی پہلی ملاقات ہوئی۔ پھر ہر روز ایک دوسرے سے قریب تر ہوتے گئے۔ رومی ان سے خاصے متاثر ہوئے اور زندگی میں نمایاں تبدیلی آنے لگی۔ رومی پہلے ذرا خشک مولوی تھے اور سماع و مزامیر سے پرہیز کرتے تھے لیکن شمس تبریز سے متاثر ہونے کے بعد سماع کے بڑے رسیا ہو گئے۔ اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ اپنی مثنوی کا آغاز ہی نے نامے سے کرتے ہیں:

بشنو از نے چوں حکایت می کند　　از جدائیہا شکایت می کند

مگر مولانا رومی کا ذوقِ سماع نفسانی و شہوانی نہ تھا۔ بلکہ سراسر روحانی تھا۔ رومی سماع کے اندر وہ جوہر محسوس کرتے تھے جو سطحی نگاہ کے لوگ نہیں دیکھ سکتے۔ وہ فرماتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خشک تار و خشک چوب و خشک پوست　　از کجا می آید این آوازِ دوست

دوسری جگہ فرماتے ہیں :

سرِّ پنہان است اندر زیر و بم　　فاش اگر گویم جہاں برہم زنم

ایک اور جگہ سماع کا فلسفہ یوں بیان کرتے ہیں :

پس غذائے عاشقاں باشد سماع　　کہ درو باشد خیالِ اجتماع

قوتے گیرد خیالاتِ ضمیر　　بلکہ صورت گیرد آں بانگِ صفیر

غرض صحبتِ شیخ نے رومی کو ہمہ تن فنا فی الشیخ بنا دیا اور وہ ایک پل کے لیے بھی جدا ہونا پسند نہ کرتے تھے۔ شمس تبریز سے رومی کو جو عقیدت تھی اس کا اظہار ان کے بہت سے اشعار سے ہوتا ہے۔ دیوانِ شمس تبریز خود رومی نے لکھا ہے لیکن عقیدت ہی کی وجہ سے انھوں نے اسے اپنے شیخ کی طرف منسوب کر دیا۔ اس کا ایک شعر ہے :

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم　　تا غلامِ شمس تبریزے نشد

شیخ کے بارے میں کہتے ہیں :

دستِ شیخ از غائباں کوتاہ نیست　　قبضہ اش جز قبضۂ اللہ نیست

ایک جگہ فرماتے ہیں :

چوں تو کردی ذاتِ مرشد را قبول　　ہم خدا در ذاتش آمد ہم رسول

عقیدت مندی کے آغاز کا ایک واقعہ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ رومی حوض کے کنارے بیٹھے فلسفہ و کلام کی کتابوں کا مطالعہ کر رہے تھے کہ ایک آنے والا آیا اور بولا : یہ کیا پڑھ رہے ہو؟ ذرا ہمیں بھی دکھاؤ۔ رومی نے کہا تمھارا اس سے کیا تعلق؟ پھر وہ کتابیں اس کے ہاتھ میں دیدیں۔ اس نے وہ کتابیں حوض میں ڈال دیں۔ بس رومی نے واویلا مچاتے ہوئے اپنے سخت رنج کا اظہار کیا۔ آنے والے نے رومی کا شور و شغب دیکھ کر اپنا ہاتھ حوض میں ڈالا اور پانی میں ڈوبی ہوئی وہ کتابیں نکال کر رومی کے ہاتھ میں دے دیں مگر رومی یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ہر کتاب کا ہر ورق بالکل خشک تھا۔ رومی نے پوچھا یہ کیا ہے؟ اس نے کہا : اس سے تمھیں کیا تعلق ہے؟ تمھارا تعلق قال سے ہے اور میرا حال سے۔ یہ آنے والا شمس الدین تبریز تھا اور یہیں سے رومی کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شغف بالشیخ کا آغاز ہوا۔ واللہ اعلم بالصواب[1]

مرشد و مسترشد کے اس درجے مخلصانہ روابط نے شہر میں خاصی شہرت حاصل کر لی اور لوگ طرح طرح کی چہ میگوئیاں کرنے لگے تو شمس تبریز خاموشی کے ساتھ دمشق چلے گئے۔ رومی کو اس جدائی سے بڑا قلق ہوا اور نیم دیوانگی کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔ آخر کچھ لوگوں کو رومی پر ترس آگیا اور وہ شمس تبریز کے پاس جا کر انھیں واپس لے آئے۔ شمس تبریز رومی کو وصال و فصال دونوں سے لذت آشنا کرانا چاہتے تھے۔ پہلے وصال سے آشنا کرایا پھر فصال سے۔ پھر وصالِ ثانی سے لطف اندوز کرایا۔ اس کے بعد پھر اچانک ہمیشہ کے لیے کہیں ایسے گئے کہ کبھی دونوں کی ملاقات نہ ہوسکی۔ بعض کا خیال ہے کہ کسی نے اُن کو شہید کر دیا۔ اور اس سازش میں رومی کے لڑکے علاء الدین محمد بھی شریک تھے۔ واللہ اعلم

صلاح الدین زرکوب

اس فراق نے مولانا رومی کو پھر بے چین کر دیا۔ وہ اس زخم کے اندمال کی تلاش میں اِدھر اُدھر مارے پھرتے رہے۔ اتفاق سے ایک دن صلاح الدین زرکوب[2] کی دوکان کے پاس سے گزرے جو اس وقت ورق کوٹ رہے تھے۔ ورق کوٹنے کی آواز میں کوئی خاص جاذبیت نہیں ہوتی۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا ہے کہ تین چار کوٹنے والے ہوں تو اُن سے مختلف سُر پیدا ہو جاتے ہیں لیکن اہلِ دل بعض اوقات فنّی موسیقیت اور آوازوں کے تناسب سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ ان کے سماع کا یہ حال ہوتا ہے کہ :

کسانیکہ یزداں پرستی کنند | بہ آوازِ دولاب مستی کنند

اور ان کی نگاہوں کا یہ انداز ہوتا ہے کہ :

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار | ہر ورقے دفترِ معرفتِ کردگار

---

[1] الجواہر المضیۃ للشیخ محی الدین عبدالقادر بن ابی الوفا محمد القرشی المصری الحنفی المتوفی ۷۷۵ھ۔

[2] صلاح الدین زرکوب مولانا رومی کے پیر بھائی بھی تھے اور سمدھی بھی یعنی رومی کے صاحبزادے سلطان ولد کی شادی صلاح الدین زرکوب کی صاحبزادی سے ہوئی اور یہ دوکان اٹھانے کے بعد کا واقعہ ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رومی کو معلوم نہیں ورق کوٹنے میں کیا چیز نظر آئی کہ ان پر ایک حالتِ وجد طاری ہو گئی۔ صلاح الدین پر بھی اس کا اثر ہوا اور بے خودی کے عالم میں ورق کوٹ کوٹ کر ضائع کرتے رہے۔ اس کے بعد اپنی ساری دوکان لٹا دی اور مولانا رومی کے ساتھ ہو لیے۔ نو[9] سال تک ساتھ رہے۔ رومی کو ان کی معیت سے بڑی تسکین حاصل ہوئی۔ ۶۶۴ھ میں صلاح الدین زرکوب نے وفات پائی۔

حسام الدین چلپی

رومی کو ایک تیسرے ہمدم و ہم مشرب، دمساز و ہمراز کی جستجو ہوئی تو اپنے ایک مرید حسام الدین چلپی پر نظرِ انتخاب پڑی اور بقیہ عمر تک چلپی ہی سے اپنے دل کو تسلی دیتے رہے۔ لیکن عام اندازِ مشیخت کے خلاف رومی اپنے اس مرید خاص کا اتنا ادب کرتے تھے جیسے پیر کا کیا جاتا ہے۔ یہی حسام الدین چلپی ہیں جو مثنوی معنوی لکھنے کا باعث ہوئے۔

مثنوی لکھنے کی تحریک

واقعات یوں ہیں کہ ایک دن رومی کی زبان سے چند اشعار بے ساختہ موزوں ہو کر نکلے۔ یہ وہی اشعار تھے جو آج مثنوی معنوی کے آغاز میں ہیں۔ چلپی نے سن کر باصرار فرمائش کی کہ اسے مکمل کیجیے۔ اس فرمائش کے بعد جب رومی نے اشعار کہنے شروع کیے تو دو ہزار چھ سو چھیاسٹھ اشعار کہہ کر دم لیا۔ اس کی شکل یہ تھی اکثر مولانا رومی ٹہل ٹہل کر شعر کہتے جاتے اور حسام الدین چلپی اسے قلمبند کرتے جاتے۔ اس دوران کئی بار ایسا ہوا کئی کئی دن، کئی کئی مہینے بعض اوقات چھ چھ ماہ تک کا ناغہ پڑتا رہا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ جب تک آمد نہ ہوتی رومی کچھ نہ لکھواتے۔ اور جب آمد شروع ہوتی تو سیلاب کی طرح اُمڈتی چلی آتی تھی۔ بیچ بیچ میں ایسے وقفے کیوں پڑ جاتے تھے اس کی وجہ ایک لطیف مثال دے کر خود رومی بیان کرتے ہیں:

مدتے این مثنوی تاخیر شد — مہلتے بایست تا خوں شیر شد

تا نزاید بخت تو فرزندِ نو — خوں نگردد شیرِ شیریں خوش شنو

یہ مثنوی اس وقت شروع ہوئی جب رومی کی عمر ۵۸ سال تھی یعنی ۶۶۲ھ میں۔ اس آغاز کا ذکر خود رومی یوں کرتے ہیں:

مطلع تاریخ این سوداو سود — سالِ ہجرت ششصد و شصت و دو بود

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ مثنوی ختم کب ہوئی ؟ اس کے بارے میں کوئی یقینی بات نہیں کہی جا سکتی۔

دیگر تصانیف

مولانا رومی کی تصنیفات میں مثنوی کے علاوہ ایک تصنیف "مجالس سبعہ" ہے جو حضرت شمس تبریز کی ملاقات سے پہلے کی ہے۔ یہ مولانا کے اقوال اور مواعظ کا مجموعہ ہے۔ یہ تین حصوں پر مشتمل ہے۔

دوسری تالیف "فیہ ما فیہ" ہے۔ یہ ان مکتوبات کا مجموعہ ہے جو وزیر سلطنت معین الدین پروانہ کو رومی نے لکھے تھے۔ اس کو رومی کے صاحبزادے حضرت سلطان ولد نے مرتب کیا تھا۔

تیسری کتاب "خطوطِ رومی" ہے جو رومی کے ۱۴۴ خطوط کا مجموعہ ہے۔

چوتھی تصنیف دیوان شمس تبریز ہے۔ یہ پچاس ہزار اشعار کا دیوان ہے۔ یہ تبرکاً شمس تبریز کے نام سے منسوب ہے جو دراصل رومی کا نتیجہ فکر ہے۔ پروفیسر نکلسن نے اس کا انتخاب بھی شائع کیا تھا۔

وفات

کہا جاتا ہے کہ ۶۷۲ھ میں قونیہ میں زور کا زلزلہ آیا اور اس کے جھٹکے چالیس دن تک محسوس ہوتے رہے۔ رومی نے کہا، زمین کوئی تر نوالہ مانگتی ہے۔ اس کے چند دن بعد ہی رومی بیمار ہو گئے۔ حاذق طبیبوں نے علاج دوائیں کوئی کسر نہ چھوڑی مگر: مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ آخر ۵ جمادی الآخرہ ۶۷۲ھ کو غروب آفتاب کے وقت یہ علم و عرفان کا آفتاب ہمیشہ کے لیے ڈوب گیا:

چونکہ گل رفت و گلستان شد خراب   بوئے گل را از کہ جوئیم از گلاب ؟

صبح جنازہ اُٹھا۔ سارے پیر و جوان اور تمام خواجگان و بندگان، جملہ کہ و مہ کے علاوہ غیر مسلم بھی جنازے میں شریک تھے۔ یہ شرکت رسمانہ تھی بلکہ بربنائے عقیدتمندی تھی۔ مسلمان کہہ رہے تھے کہ ایک بڑا ولی، درویش، عالم، فقیہ اُٹھ گیا اور عیسائی عقیدت مند کہہ رہے تھے کہ یہ مسیح کا شبیہ تھا۔ یہودی انہیں موسیٰ کا مظہر بتا رہے تھے۔

محی الدین بن عربی کے شاگرد رشید شیخ صدر الدین اپنے ارادت مندوں کے حلقے کے ساتھ موجود تھے۔ ان کا کیا حال ہو رہا تھا اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ حسبِ وصیتِ رومی یہ جب نمازِ جنازہ پڑھانے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لیے آگے بڑھے تو چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے اور قاضی سراج الدین نے نماز پڑھائی۔

رومی کے جانشین

رومی نے دو فرزند علاالدین محمد اور سلطان ولد چھوڑے لیکن رومی کی وصیت کے مطابق حسام الدین چلپی ان کے جانشین ہوئے۔ ان کے انتقال (۶۸۴ھ) کے بعد سلطان ولد جانشین بنائے گئے۔

نسلی جانشینی دراصل ملوکیت کا مظہر ہے۔ روحانیت میں معلوم نہیں یہ نسلی جانشینی کہاں سے آگئی جو دراصل برہمنیت کی یادگار ہے۔ جانشینی اگر کسی موقع پر ضروری ہو تو وہاں صرف اہلیت و صلاحیت دیکھنی چاہیے نہ کہ نسل و خاندان۔ طریقت تو ایک خالص روحانی سلسلہ تسلیم کیا جاتا ہے اور سلاسل طریقت کے سرخیل حضرت علی مرتضیٰؓ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیہ کی غالب اکثریت تفضیل علیؓ کا عقیدہ (ظاہراً او باطناً) رکھتی ہے۔ لیکن خانقاہوں میں آج تک نسلی جانشینی کی پابندی کی جاتی ہے اور یہ بات کچھ عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ روحانی سلسلہ تو ہو سیدنا علیؓ کا اور اس میں سنت جاری ہو حضرت معاویہؓ کی۔ راہ طریقت کے متعلق تو وہی تصور درست ہے جو جامیؒ نے یوں بیان کیا ہے:

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی　　　که دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

بہر حال مولانا رومی نسباً ہی صدیقی نہ تھے بلکہ سنت صدیقی پر عمل بھی کیا یعنی اپنے کسی فرزند کی نہیں بلکہ اپنے شاگرد رشید حسام الدین چلپی کی جانشینی کی وصیت کر گئے۔

یہ خوب سمجھ لینا چاہیے کہ جانشینی کے لیے اولاد کا نہ ہونا بھی کوئی ضروری شرط نہیں۔ اگر وہ زیادہ اہل ہو تو ضرور جانشین ہو سکتا ہے۔ شرط صرف اتنی ہے کہ جو اہل ہو وہی جانشین ہو۔ نظام ملکی میں کسی عہدے پر بھی نااہل کو فائز نہیں کیا جاتا اور نہ ایسا کرنا چاہیے لیکن اگر فرزند ہی زیادہ اہل نظر آتے تو وہ ضرور جانشین ہو سکتا ہے۔ رومی اپنے فرزندوں سے زیادہ اہل چلپی کو سمجھتے تھے اس لیے انہی کے لیے وصیت کر گئے۔ ان کے بعد لوگوں نے سلطان ولد کو زیادہ اہل پایا ہو گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ کسی عہدے کے لیے صرف اہلیت دیکھی جاتی ہے خواہ کسی میں ہو۔ صرف نسل و خاندان کو بنائے استحقاق قرار دینا نہ رومی کا تصور تھا نہ اسلام کا تصور رہے۔

فکر رومی کی ہمہ جہتی

© rasailojaraid.com

مولانا رومی ایک ہمہ جہت صاحب فضل و کمال صوفی ہیں۔ ہمہ جہت قسم کا مصنف یا شاعر جس

© rasailojaraid.com

طرف چل پڑتا ہے اس میں اس طرح غوطے لگاتا ہے کہ دیکھنے والا گمان کرنے لگتا ہے کہ یہ اسی میدان کا شہسوار ہے۔ پھر کسی اور سمندر میں کسی اور انداز سے غواصی کرتا ہوا دیکھتا ہے تو اسے اپنے پہلے گمان سے رجوع کرنا پڑتا ہے۔ اور کئی مقامات پر اسے تضاد سا بھی محسوس ہونے لگتا ہے۔ مثال کے طور پر آپ علامہ اقبالؒ کو دیکھیے۔ اشتراکیت اور شیوعیت کے معتقدین اپنی تائید میں مرحوم کے بے شمار اشعار پیش کرتے ہیں جن میں سرمایہ داری اور تصورِ ملکیت پر بھرپور وار کیے گئے ہیں۔ دوسری طرف ایک گروہ اقبال ہی کے وہ اشعار پیش کرتا ہے جن میں اشتراکیت کی کمزوری کا ذکر کر کے اس کی روحانی تہی دامانی کو واضح کیا گیا ہے[۱]۔ حالانکہ ان دونوں باتوں میں دراصل کوئی تضاد نہیں ہے۔ اقبال نے سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں پر اسلامی نقطۂ نظر سے تنقید کی ہے۔

مثنوی کی خصوصیات

رومی کی مثنوی اپنے اندر خاص خصوصیات رکھتی ہے۔ ایک سرسری نظر اس پر بھی ڈال لینا چاہیے۔

۱۔ مثنوی بحر رمل مسدس میں ہے جو کہیں محذوف ہے اور کہیں مقصور۔ یعنی فاعلاتن، فاعلاتن فاعلن بھی ہے اور فاعلاتن فاعلاتن فاعلات بھی۔ مثلاً

بشنو از نے چوں حکایت می کند از جدائیہا شکایت می کند

اور تیسرا شعر یوں ہے:

سینہ خواہم شرحہ شرحہ از فراق تا بگویم شرحِ دردِ اشتیاق

اسی طرح ساتواں شعر ہے:

سرّ من از نالۂ من دور نیست لیک چشم و گوش را آں نور نیست

۲۔ رومی عروض و قوافی اور لسانی قواعد کے ہر جگہ پابند نہیں بلکہ ان قواعد و اصول کو اپنی ضرورتِ شعری کا پابند بنا لیتے ہیں۔ "شعر" کا قافیہ "مہر"، لکھنے میں تامل نہیں کرتے۔ "عمرؓ" کو "عُمَر" بھی لکھ کر وزن برابر کر لیتے ہیں۔ اضافی اور توصیفی ترکیبوں میں علامتِ اضافت و توصیف کو

---

[۱] المعارف، جولائی ۱۹۷۲ء میں مضمون "اقبال اور سرمایہ داری" دیکھیے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حذف کرنے میں بالکل آزاد ہیں۔ ضرورتِ شعری کے لیے آیات و احادیث کے الفاظ میں تقدم و تاخر اور تبدیل لفظ یا حذف الفاظ و اعراب یا اضافہ الفاظ وغیرہ بھی بلا تکلف کر لیتے ہیں۔ اس کی چند مثالیں ملاحظہ کریں:

۱۔ کل شیءٌ ھالک الا وجھہٗ

یہاں ھالک کی تنوین غائب ہے۔ یا

۲۔ بارگاہِ مالہ کفوا احد

یہاں لم یکن کی بجائے ما ہے جو مفہوماً مترادف ہے۔ یا

۳۔ گفت ایزد یحمل اسفارہٗ

یہاں یحمل اسفاراً کی بجائے یحمل اسفارہٗ ہے۔ یا

۴۔ یؤمنون بالغیب می باید مرا

یہاں نون ظاہر کی بجائے نون غنہ ہے۔ یا

۵۔ ربنا انا ظلمنا گفت وبس

یہاں ربنا ظلمنا کی بجائے ربنا انا ظلمنا ہے۔ یا

۶۔ توبہ کن مردانہ سر آور بہ رہ — کہ فمن یعمل بمثقالِ یرہ

یہاں فمن یعمل مثقال ذرۃٍ خیراً یرہ ..... شراً یرہ کو مختصر کر دیا گیا ہے۔

غرض اس طرح کی بے شمار مثالیں مثنوی میں موجود ہیں۔ اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ باقی چیزوں۔ مثلاً علامتِ اضافت و توصیف کا حذف، لفظی تغیر یا قوافی ردیف کی عدم رعایت وغیرہ میں رومی کس قدر آزاد ہوں گے۔ اگر فنی و لسانی قواعد کی یہ رعایتیں اشعار کو نہ دی جائیں تو شاعری ہی ختم ہو جائے گی۔

۳۔ رومی کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ جن حقائق کو پیش کر کے ذہن نشین کرنا چاہتے ہیں ان کو یا تو قصے کے پیرائے میں بیان کرتے ہیں یا مثالوں سے۔

قصے کہانیاں بس قصے کہانیاں ہی ہوتی ہیں کوئی تاریخی واقعہ نہیں ہوتا لیکن انہیں جھوٹ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ سننے والا خود بھی سمجھتا ہے کہ یہ قصہ محض فرضی ہے۔ لیکن اس کا مقصد اسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مفروضے کے اندر سے کچھ سچی حقیقتیں نکال کر بیان کرنا ہوتا ہے۔ مثلاً بتانا یہ ہو کہ قدرت کا یہ نظام قائم ہے کہ کمزور کو قوی ہڑپ کر جاتا ہے تو اس حقیقت کو شاعر قصے کی شکل میں یوں بیان کرتا ہے:

سانپ سے مینڈک نے پوچھا سچ بتا — میرے کھانے سے تجھے حاصل ہے کیا
سانپ بولا گومگو کی بات ہے — رسم دنیا کی یہی دن رات ہے
مور سے تو جا کے پوچھ اے بوالفضول — میرے کھانے سے ہے کیا حصول

ظاہر ہے کہ نہ مینڈک نے کچھ پوچھا نہ سانپ نے کوئی جواب دیا۔ یہ داستان فرضی ہے لیکن اس فرضی کہانی کے اندر جو حقیقت پوشیدہ وہ سچی ہے جسے ایک مکالمے کی شکل ڈرامائی انداز سے دے دی گئی ہے تاکہ مقصدِ حکایت پوری طرح ذہن نشین ہو جائے۔

رومی کی مثنوی میں ایسی حکایات کی اتنی بہتات ہے کہ مثنوی کا بیشتر حصہ حکایات ہی پر مشتمل ہے۔ ان کی تعداد سنو سے زیادہ ہے۔

حکایات میں بھی ایک عجیب انداز یہ ہے کہ ایک قصہ شروع کر دیتے ہیں تو درمیان میں کسی مضمون کی مناسبت سے ایک اور قصہ شروع کر دیتے ہیں اور آخر میں مختلف حکایات کو مربوط کر دیتے ہیں۔ ہر حکایت کے درمیان جابجا ایسے حقائق کو بھی بیان کرتے جاتے ہیں جن کو بیان کرنا مقصود ہوتا ہے۔ حکایت کے دوران جابجا فلسفہ و حکمت کے دقیق مباحث اعلیٰ ایمانی و اخلاقی اقدار، وعظ و پند کی باتیں، تفسیری نکات، کلامی گفتگو وغیرہ بھی بیان کرتے جاتے ہیں اور دراصل ان حکایات کو بیان کرنے کا مقصد یہی کچھ ہوتا ہے۔ رومی ان حکایات کے بارے میں خود ہی فرماتے ہیں:

اے برادر قصہ چوں پیمانہ ایست — معنی اندر وے مثال دانہ ایست
گفت نحوی زید عمرواً قد ضرب — گفت چونش کرد بے جرمے ادب
عمرو و زید از بہر اعراب ست ساز — گر دروغ ست آں تو با اعراب ساز

حکایات کے علاوہ رومی جو روایات بیان کرتے ہیں ان میں بھی صحت و سقم کی محدثانہ جانچ پڑتال نہیں کرتے۔ وہ ضعیف روایات کے علاوہ موضوع قسم کی روایات سے بھی کام لے لیتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیونکہ رومی کو حکایات کی طرح روایات میں بھی نتائج سے کام ہوتا ہے۔

حکایات کے علاوہ رومی جو تمثیلیں دیتے ہیں وہ ان کی شاید واحد خصوصیت ہے۔ سیدنا مسیحؑ پیغمبروں میں اور رومی صوفیوں میں تمثیلات کے شاہنشاہ ہیں۔ ایک مثال سے اس کا اندازہ کیجیے۔ ہزاروں سال سے "جبر و اختیار" کا مسئلہ موضوع بحث رہا ہے لیکن رومی اس پیچیدگی کو اس طرح سلجھاتے ہیں؛

گر شتربان اشترے را می زند ۔۔۔ آں شتر قصدِ زنندہ می کند
خشم اشتر نیست با آں چوب او ۔۔۔ پس ز مختاری شتر بردہ ست بو
عقل حیوانی چو دانست اختیار ۔۔۔ ہیں بگو اے عقلِ انساں شرم دار
ہم چنیں گر بر سگے سنگے زنی ۔۔۔ بر تو آرد حملہ، گردی منثنی

پھر ایک اور مثال دیتے ہیں؛

دست کو لرزاں بود در ارتعاش ۔۔۔ وآنکہ دستے را بلرزانی زجاش
ہر دو جنبش آفریدہ حق شناس ۔۔۔ لیک نتواں کرد با آں این قیاس
زاں پشیمانی کہ داری لرزہ اش ۔۔۔ خود پشیماں نیست مردِ مرتعش

۴۔ رومی نے بعض بڑے ناگفتہ بہ قصے بھی لکھے ہیں لیکن ان سے جو نتائج پیدا کیے ہیں وہ رومی کا شاہکار ہے۔ اعلیٰ درجے کے نتائج پر نظر ہو تو ایسے قصوں کی بیہودگی بیان تے نام ہی رہ جاتی ہے۔ گویا غلاظتوں کو رومی کھاد بنا کر اس سے مفید بوٹے اگاتے ہیں، حسین پھول کھلاتے ہیں، لطیف غذا اور دوا پیدا کرتے ہیں۔ یا یوں سمجھئے کہ زہر کو دوسری ادویہ سے ملا کر تریاق بنا دیتے ہیں۔ بہت سی ناگفتہ بہ باتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کو کسی اعلیٰ مقصد کے لیے واضح کرنا ہی پڑتا ہے۔ اگر ہر موقعے پر اس کو ممنوع قرار دیا جائے تو مذہبی کتابوں سے کتاب الطہارت وغیرہ کے حصے خارج کرنے پڑیں گے۔

۵۔ رومی کی مثنوی کو اگر مضامین کے لحاظ سے مرتب کیا جائے تو کم و بیش ستر مضامین نکلیں گے جن میں حمد و نعت، منقبت صحابہ وغیرہ کے علاوہ تصوف کے مسائل و اصطلاحات، اشغال و تعلیمات، احوال و مقامات، اخلاق عالیہ، اخلاق رذیلہ وغیرہ کا ایک ایک گوشہ موجود

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ اور یہ سب کچھ حکایات کے علاوہ ہے۔

رومی جب کسی موضوع پر قلم اُٹھاتے تو عقلی و نقلی ہر قسم کی دلیلیں لاتے ہیں۔ اس میں قرآن احادیث، فقہ، کلام، مثالیں، حکائیتیں سبھی کچھ ہوتا ہے جس سے مضمون ذہن نشین ہو جاتا ہے اور جو سامع جس راہ سے بھی مطمئن ہو سکے اطمینان حاصل کر لیتا ہے۔

مقبولیت کے اسباب

مثنوی کی مقبولیت کی ایک بڑی وجہ تمثیلات و تشبیہات ہیں جو مضمون کو پوری طرح دل میں اتار دیتی ہیں۔

مثنوی کی مقبولیت کا ایک بڑا سبب — جس کی طرف کسی مصنف کی نظر نہیں گئی ہے۔ اس کا دل آویز لہجہ ہے لیکن اس کا تعلق صرف پاک و ہند سے ہے۔ بیرونی ملکوں میں یہ طرز نہیں۔ اس لہجے کے موجد اوّل حضرت مولانا شاہ سلیمان پھلواروی ہیں جیسا کہ "خاتم سلیمانی" کے حصہ ملفوظات میں ہے۔ اب پاک و ہند کے تمام واعظین اور موسیقار اسی لہجے میں مثنوی پڑھتے ہیں۔ اگرچہ طرزِ ادا میں تھوڑا بہت فرق ہوتا ہے تاہم ٹھاٹھ یا سرگم وہی ہوتا ہے۔ عموماً جب کسی صوفی کے کلام کو خصوصی مقبولیت حاصل ہوتی ہے اور اس میں عقیدت مندی کا امتزاج بھی ہو تو اس کا کوئی لہجہ بھی مقبول عام ہو جاتا ہے۔ اس کی واضح مثال صوبہ پنجاب میں حضرت وارث شاہؒ کی "ہیر رانجھا" ہے۔ اس کا ایک خاص طرز اور مخصوص لے ہے۔ جو بھی اسے پڑھے گا، گا کر پڑھے گا اگرچہ ہر ایک میں برائے نام فرق ہوگا۔

اس سلسلے میں ایک خاص نکتہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جتنے نئے نئے طرز کی ٹھمریاں، غزلیں، گانے ایجاد ہوتے ہیں وہ ابتدا میں اس عمومیت کے ساتھ ملک کے ایک گوشے سے لے کر دوسرے کونے تک پھیل جاتے ہیں کہ ہر خرد و کلاں جسے موسیقی سے کوئی لگاؤ ہو اسی کو گنگناتا رہتا ہے۔ لیکن تھوڑے دنوں کے بعد وہ چیز پامال و مبتذل ہو جاتی ہے اور اس کی جگہ دوسری نو ایجاد چیز لے لیتی ہے۔ ہوش سنبھالنے کے بعد اب تک جتنے نئے نئے لہجے ایجاد ہوئے ان میں سے بیسیوں مجھے اب تک یاد ہیں لیکن آج ان کی طرف کوئی معمولی توجہ بھی نہیں دیتا۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ رومی کی مثنوی یا وارث شاہ کی "ہیر رانجھا" کے لہجوں میں اب تک کوئی ابتذال نہیں پیدا ہوا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہی کشش، وہی جاذبیت اور وہی مقبولیت آج تک قائم ہے اور اس وقت تک قائم رہے گی۔ جب تک اس سے بہتر طرز ایجاد ہو کر قبول عام حاصل نہ کرے۔

شرحیں اور ترجمے

مثنوی کس قدر مقبول ہوئی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس کی شرح، خلاصے، تبویب اور ترجمے پر فارسی، ترکی اور اردو میں بیسیوں کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور اس کا سلسلہ رومی کی وفات کے دو سو سال کے بعد جو شروع ہوا تو اب تک جاری ہے۔ اردو زبان میں رومی کی سوانح حیات پر سب سے زیادہ جامع کتاب قاضی تلمذ حسین صاحب مرحوم سابق ناظم دار الترجمہ حیدر آباد دکن کی ہے جس کا نام "صاحب المثنوی" ہے جو معارف پریس اعظم گڑھ میں ۱۳۸۶ھ - ۱۹۶۷ء میں شائع ہوئی ہے۔ کسی زبان میں اس سے زیادہ جامع سوانح عمری نہ ملے گی۔ اس سے چالیس سال پہلے مولانا شبلی نعمانی نے "سوانح مولانا روم" لکھی تھی۔ وہ سوانح کے لحاظ سے اگرچہ مختصر ہے لیکن خصوصیات و مضامین مثنوی پر عالمانہ و محققانہ گفتگو کی ہے۔ یہ بھی معارف پریس ہی سے شائع ہوئی ہے۔ ڈاکٹر خلیفہ عبد الحکیم صاحب مرحوم نے رومی پر دو کتابیں لکھی ہیں لیکن ان میں سوانح سے بحث نہیں کی ہے صرف مضامین مثنوی پر گفتگو کی ہے۔ خلیفہ صاحب مرحوم ایک ہمہ جہت قسم کے فلسفی تھے پہلے انھوں نے حکمت رومی لکھی جو دراصل ان کے ایک تھیسس (THESIS) کا ترجمہ مع بعض اضافات ہے۔ اس میں صرف ان مابعد الطبیعیاتی مسائل پر گفتگو کی گئی ہے جو رومی کے کلام میں پائے جاتے ہیں۔ مثلاً جبر و قدر، ارتقا وغیرہ۔ ان کی دوسری تصنیف "تشبیہات رومی" ہے جو ان کی وفات کے بعد شائع ہوئی۔ اس مضمون پر اس سے زیادہ جامع کتاب اب تک نہیں لکھی گئی ہے۔

تبویب و ترتیب کے لحاظ سے لباب - لب لباب، مرآۃ المثنوی (از قاضی تلمذ حسین مذکور) اور مغز نغز (مولانا ابو بکر شیث جونپوری) وغیرہ اچھی اور مفید کتابیں ہیں۔

اردو شرح میں کلید مثنوی (از مولانا اشرف علی تھانوی) اور مفتاح العلوم (از مولانا محمد نذیر مجددی) بھی مفید ہیں۔

بڑی ناانصافی ہوگی اگر اس موقع پر پروفیسر نکلسن کا ذکر نہ کیا جائے۔ انھوں نے رومی پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

برسوں ایسی ریسرچ کی ہے کہ رومی کے مزاج شناس ہو گئے۔ بہتیرے نسخے مثنوی کے ان کے پاس تھے۔ جن نسخوں کا یہ مطالعہ کرتے رہے ان میں بعض اشعار پر ان کو شک پیدا ہوا۔ غائر مطالعے سے وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ:

۱۔ جہاں خودستائی ہو وہ رومی کا کلام نہیں ہو سکتا۔

۲۔ جس شعر میں کسی کی خوشامد ہو وہ رومی کا نہیں ہو سکتا۔

۳۔ جہاں کسی پر قدح و مذمت ہو وہ رومی کا قلم نہیں ہوگا۔

ان تین اصولوں کو سامنے رکھ کر پوری مثنوی کے چھ دفتروں میں سے وہ تمام اشعار چھانٹنے شروع کیے جو ان کے اصولوں کے معیار پر پورے نہ اترتے ہوں۔ کوئی بارہ سو اشعار انھیں ایسے نظر آئے جو ان کے خیال میں رومی کے نہ ہو سکتے تھے یعنی الحاقی تھے۔ اس کے بعد اصل نسخے سے جو قونیہ وغیرہ میں تھا مقابلہ کیا تو صرف پانچ شعروں کا فرق نظر آیا جو انھوں نے چھوڑ دیے تھے یا درج کر لیے۔ اس کے بعد صحیح ترین نسخہ لندن سے ۱۹۲۵ء میں شائع کیا۔

تشبیہاتِ رومی : از ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم

مولانا جلال الدین رومی تشبیہ و تمثیل کے بادشاہ ہیں۔ وہ ہر قسم کے اخلاقی و روحانی مسائل کو سلجھانے اور ہر باریک نکتہ کی وضاحت کرنے کے لیے ایسی دل نشین تشبیہ دیتے ہیں جو یقین آفریں بھی ہوتی ہے اور وجد آور بھی۔ رومیات کے مشہور عالم اور نامور مفکر خلیفہ عبدالحکیم مرحوم نے ان تشبیہات کی بڑے دلکش اور وجد آفریں انداز میں تشریح کی ہے اور ان کی یہ تصنیف حکمت و معرفت کا ایک بحرِ زخار ہے جس کی اشاعت سے اردو زبان کے افادی ادب میں گراں قدر اضافہ ہوا ہے۔

صفحات : قیمت :

ملنے کا پتہ

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور

© rasailojaraid.com